ایک تم کو خدا سے مانگا ہے

انتخاب

ارشد ملک

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

نام کتاب	:	ایک تم کو خدا سے مانگا ہے
شاعر	:	ارشد ملک
کمپوزنگ	:	میٹرکس کمپوزر
تعداد کتب	:	1000
موسم اشاعت	:	جولائی 2008
مطبع	:	محمود برادرز پرنٹرز

Rs.140.00

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز
اقبال مارکیٹ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی Ph:051 - 5551519
ڈسٹری بیوٹرز اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک اقبال روڈ راولپنڈی فون 051-6531610
معیاری اور خوبصورت کتاب چھپوانے کیلئے رابطہ کریں: زاہد الرحمٰن (051-5551519)

عہد حاضر کے معروف غزل گو

پروفیسر نثار ترابی

کے نام

سفر میں اپنے حصے کی مسافت یاد رہتی ہے
کہیں آباد ہونے پر بھی ہجرت یاد رہتی ہے

وہ چاہے دوستی ہو، دشمنی ہو یا محبت ہو
یہاں ہر حال میں اپنی ضرورت یاد رہتی ہے

کسی صحرا کو پیاسا چھوڑ جاتا ہے کبھی دریا
کبھی پیاسے کو دریا کی سخاوت یاد رہتی ہے

یہ سچ ہے پیار پہلا ہی بسا رہتا ہے سانسوں میں
یہ سچ ہے عمر بھر پہلی محبت یاد رہتی ہے

پروفیسر نثار ترابی

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا؟

ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا؟

غالب

فہرست

حرفِ آغاز

محبت کائنات کی اساس ہے۔ ہر شخص محبت کا اظہار اپنے اپنے انداز سے کرتا ہے لیکن سب سے خوبصورت اظہار شاعری میں نظر آتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک شعراء کے نازک احساسات و خیالات جو وہ اپنے کلام میں بیان کرتے ہیں محض وقتی اور افسانوی ہوتے ہیں لیکن میرے نزدیک ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں جب بھی مستند شعراء کا کلام پڑھتا ہوں تو ہمیشہ لطیف تخیلات کو دل کی گہرائیوں میں اُترتے دیکھتا ہوں۔

''ایک تم کو خدا سے مانگا ہے'' محبت کے موضوع پر شاعری کرنے اور پڑھنے والوں کے لئے ایک تحفہ ہے۔ اُمید کرتا ہوں کہ پہلے شعری مجموعوں کی طرح یہ انتخاب بھی آپ کے ذوق پر پورا اُترے گا۔ محبت کے موضوع پر بہت سے شعری انتخاب آپ کو مارکیٹ میں ملیں گے لیکن اگر آپ ان تمام کتب کا موازنہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان تمام کتب میں شاعری تقریباً ایک جیسی ہے اور یہ وہی شاعری ہے جو آپ میرے ابتدائی شعری انتخابوں میں پڑھ چکے ہیں۔ میں نے اس نئی کتاب میں بھی کوشش کی ہے کہ آپ کو معیاری اور منفرد شاعری پڑھنے کو ملے۔ میں اس میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ تو آپ ہی بہتر کر سکتے ہیں۔

نئے شعراء کا نام میرے شعری مجموعوں میں پڑھ کر لوگ سوال کرتے ہیں کہ یہ نئے شعراء کس طرح ان مستند شعراء کی فہرست میں شامل ہو گئے۔ میرا جواب یہ ہے

کہ بہت سے نئے شعرا ایسے ہیں جو میری رائے کے مطابق نہ صرف بہتر شعر کہہ رہے ہیں بلکہ بہترین شعر کہنے کی صلاحیتیں ان میں بدرجہء اتم پائی جاتی ہیں۔ ان کی شاعری ہم انتخاب میں شامل کر کے حوصلہ افزائی کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ان میں بہتر سے بہتر شعر کہنے کی تحریک پیدا ہو سکے۔

قارئین کی محبتوں کا ثبوت تواتر سے ملنے والے خطوط اور فون کالوں کا تانتا ہے۔ یقین جانئے میں فرداً فرداً جواب دینے کو مچلتا ہوں لیکن قاصر ہوں پھر بھی ممکنہ حد تک جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں اور آخر میں پھر وہی بات کہ اگر آپ کے پاس اپنی کوئی شاعری یا کسی دوسرے کی اچھی شاعری کا انتخاب موجود ہے تو ہمیں ارسال کریں تا کہ ہم اگلے انتخاب میں شامل کر کے اس سلسلے کو بہتر بنا سکیں۔

تشکر

میں اپنے قارئین کا شکر گزار ہوں جنھوں نے میرے شعری مجموعوں ''دل درد کا ٹکڑا ہے'' اور ''کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں'' کو بھرپور پذیرائی اور محبت بخشی۔ آپ کی بے پناہ محبتوں اور عقیدتوں سے شہہ پاتے ہوئے میں اپنا تیسرا شعری مجموعہ ''میری چاہت امر کر دو'' بہت جلد آپ کے ذوقِ سلیم کو دان کر رہا ہوں۔

آپ سب کا

ارشد ملک

0333-5125579

H-174' اقبال روڈ' کمیٹی چوک' راولپنڈی

''دید کا تمنائی''

تیری باتوں میں زندگی کا رس
تیری آواز میں ہے رعنائی

فون پر بولتی ہوئی محبوب
تو ابھی سامنے نہیں آئی

دل تجھے دیکھنے کو کہتا ہے
دل تیری دید کا تمنائی

اک طرف عاشقی سے ہم مجبور
اک طرف ہم کو خوف رسوائی

صبر کا حوصلہ نہیں باقی
حُسن' بیکار' جان زیبائی

ہم نے مانا' تو خوبصورت ہے
دیکھ ہم کو تیری ضرورت ہے

ابن انشاء

اے خدا آج اُسے سب کا مقدر کر دے
وہ محبت کہ جو انساں کو پیمبر کر دے

سانحے وہ تھے کہ پتھرا گئیں آنکھیں میری
زخم یہ ہیں تو مرے دل کو بھی پتھر کر دے

صرف آنسو ہی اگر دستِ کرم دیتا ہے
مری اُجڑی ہوئی آنکھوں کو سمندر کر دے

مجھ کو ساقی سے گلہ ہو نہ تنک بخشی کا
زہر بھی دے تو مرے جام کو بھر بھر کر دے

شوق اندیشوں سے پاگل ہوا جاتا ہے فرازؔ
کاش یہ خانہ خرابی مجھے بے در کر دے

احمد فراز

عشق کیسا کہ بھروسا بھی نہیں تھا شاید
اس سے میرا کوئی رشتہ بھی نہیں تھا شاید

خلقتِ شہر میں جس ہار کے چرچے ہیں بہت
میں وہ بازی کبھی کھیلا بھی نہیں تھا شاید

زیست کرنے کے سب انداز اسے ازبر تھے
مجھ کو مرنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا شاید

خاک اُڑاتے ہوئے بازاروں میں دیکھا سب نے
میں کبھی گھر سے نکلتا بھی نہیں تھا شاید

اُس کی آنکھوں میں بشارت تھی نئے خوابوں کی
میں اُسے دیکھ کر چونکا بھی نہیں تھا شاید

ایک بادل میرے جو نام سے منسوب ہوا
میرے صحرا میں تو برسا بھی نہیں تھا شاید

افتخار عارف

اس دل نے ترے بعد محبت بھی نہیں کی
حد یہ کہ دھڑکنے کی جسارت بھی نہیں کی

تعبیر کا اعزاز ہوا ہے اسے حاصل
جس نے مرے خوابوں میں شراکت بھی نہیں کی

الفت تو بڑی بات ہے ہم سے تو سر شہر
لوگوں نے کبھی ڈھنگ سے نفرت بھی نہیں کی

آداب سفر اب وہ سکھاتے ہیں جنہوں نے
دو چار قدم طے یہ مسافت بھی نہیں کی

کیا اپنی صفائی میں بیاں دیتے کہ ہم نے
ناکردہ گناہی کی وضاحت بھی نہیں کی

اس گھر کے سبھی لوگ مجھے چھوڑنے آئے
دہلیز تلک اس نے یہ زحمت بھی نہیں کی

اس نے بھی غلاموں کی صفوں میں ہمیں رکھا
اس دل پہ کبھی جس نے حکومت بھی نہیں کی

اعتبار ساجد

دل وہاں اُس کا لگ گیا ہو گا
اُس نے، مجھ کو بھلا دیا ہو گا

جب مرے شہر سے چلا ہو گا!
جیتے جی، وہ تو مر گیا ہو گا

کون، اُس کو سمیٹتا ہو گا؟
وہ تو، بے طرح ٹوٹتا ہو گا

وقتِ رخصت، ہمارے نام، اُس نے!
کوئی پیغام تو دیا ہو گا

اُس کی آنکھیں، چھلک پڑی ہوں گی!
اُس کے دل سے دھواں اُٹھا ہو گا

کون بیٹھا ہے جرمنی، اُس کا؟
کون، اُس کو سنبھالتا ہو گا

میں، جہاں بھی رہوں، اُسی کا ہوں
وہ، جہاں بھی رہے، مرا ہو گا

چاہنے والے لاکھ ہوں پھر بھی!
مجھ کو راجا وہ ڈھونڈتا ہو گا

احمد رضا راجا

جاناں اچھے لگتے ہو!

چلتے چلتے رکتے ہو!
رکتے رکتے ہنستے ہو!
ہنستے ہنستے روتے ہو!
کن سوچوں میں ہوتے ہو؟
جب سائے سے ڈرتے ہو!
شمع بن کر، جلتے ہو
فون پہ، جب تم لڑتے ہو
جب، راضی ہو جاتے ہو
چین سے، جب سو جاتے ہو
پھر جب، سپنے بُنتے ہو!
اور جب، کلیاں چنتے ہو!
کاغذ پر، جب لکھتے ہو!
جب تم شاعر دِکھتے ہو!
چھوٹے بچے لگتے ہو
جاناں! اچھے لگتے ہو

احمد رضا راجا

❁

تری اُلجھن کا حل یہ سوچا ہے
اب بچھڑ جائیں ہم تو اچھا ہے

یہ محبت بھی ایسا ریشم ہے
ہاتھ ڈالا ہے جس نے اُلجھا ہے

بات بے بات رُوٹھنے والے
وقت بے وقت تجھ کو سوچا ہے

ہجر کی رات ہر ستارے پر
ہم نے تیرا ہی نام لکھا ہے

ہم نے سوچا ہے رات دن تم کو
ہم نے تیرا ہی خواب دیکھا ہے

اور سب کچھ ملا ہے بن مانگے
ایک تم کو خدا سے مانگا ہے

ارشد ملک

جب ہجر کی آگ جلاتے ہیں، کچھ لوگ بہت یادآتے ہیں
آنکھوں میں راکھ سجاتے ہیں، کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

موسم کے رنگ بدلتے ہی، لہرا کر جھونکے آتے ہیں
شاخوں سے بور اُڑاتے ہیں، کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

یادوں کی گرم ہواؤں سے، آنکھوں کی کلیاں جلتی ہیں
جب آنسو درد بتاتے ہیں، کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

بے درد ہوائیں سہہ سہہ کر، سورج کے ڈھلتے سایوں میں
جب پنچھی لوٹ کے آتے ہیں، کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

جب لوگ جہاں کے قصوں میں دم بھر کا موقعہ ملتے ہی
لفظوں کے تیر چلاتے ہیں، کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

یہ عشق محبت کچھ بھی نہیں، فرصت کی کارستانی ہے
جب لوگ مجھے سمجھاتے ہیں، کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

جب کالے بادل گھر آئیں اور بارش زور کی ہوتی ہو
دروازے شور مچاتے ہیں، کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

جب آنگن میں خاموشی اپنے ہونٹ پہ اُنگلی رکھتی ہو
سناٹے جب در آتے ہیں، کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

جب سرد ہوا کا بستر ہو اور یاد سے اس کی لپٹے ہوں
تب نغمہ سا لہراتے ہیں کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

جب اوس کے قطرے پھولوں پر کچھ موتی سے بن جاتے ہیں
تب ہم بھی اشک بہاتے ہیں، کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

ہم یاد میں بس گم رہتے ہیں، اور چاند کو تکتے رہتے ہیں
تاروں سے بات چھپاتے ہیں، کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

ارشد ملک

محبت کا سفر بھی کیا سفر ہے

محبت کا سفر بھی کیا سفر ہے
جو ادھورا ہو نہیں سکتا
محبت کا مسافر چاہے چکنا چور ہو تھک کر
کہیں بھی راستے میں رُک نہیں سکتا
اور اس میں واپسی کی کوئی گنجائش نہیں ہے
محبت زندگی بھر کا سفر ہے

یہ موٹروے کا اک ایسا سفر ہے
جس میں آتا ہی نہیں "U Turn" کوئی
یہ ہے بحری جہازوں کی مسافت
بحرِ اتلانتک کے گہرے پانیوں میں جس طرح
کوئی مسافر راستے میں اپنی مرضی سے
کہیں پر رُک نہیں سکتا
نہ واپس لوٹ سکتا ہے

انعام الحق جاوید

✿

ہر لفظ کو کاغذ پہ اُتارا نہیں جاتا
ہر نام سرِ عام پکارا نہیں جاتا

ہوتی ہیں محبت میں کئی راز کی باتیں
ویسے ہی تو اس کھیل میں ہارا نہیں جاتا

آنکھوں میں لگایا نہیں جاتا یونہی کاجل
زُلفوں کو بلاوجہ سنوارا نہیں جاتا

ہر شخص کو طوفان بچانے نہیں آتے
ہر ناؤ کے ہمراہ کنارا نہیں جاتا

تب تک نہیں کھلتے کبھی اسرارِ محبت
جب تک کوئی اس راہ میں مارا نہیں جاتا

انعام الحق جاوید

"یاد ہے جاناں"

یاد ہے جاناں
تم نے پچھلی بار کہا تھا
مجھ کو بھول کے خوش رہنا ہے
تم کو تو میں بھول نہ پایا
لیکن جاناں
چپکے چپکے دُکھ سہتا ہوں
اب میں اکثر خوش رہتا ہوں

اختر ملک

محبت جرم ہو جائے

اسے کہنا......!
جو سچا ہے
تو پھر وہ اس جدائی کی
وضاحت کیوں نہیں کرتا
اسے کہنا......!
کہ اس سے بے اعتنائی کی وجہ لکھے
کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر
ذرا سی ایک غفلت پر
"محبت جرم ہو جائے"

اختر ملک

❁

سرخ جلتا ہوا سورج نہ چمکدار ستارہ دیکھیں
ہم تو ایسے ہیں کہ آنکھوں کا اشارہ دیکھیں

کل بھرے شہر میں یہ سوچ کے ٹھوکر کھائی
کون دیتا ہے ہمیں آ کے سہارا دیکھیں

دیکھ مت پوچھ لکیروں کے معانی ہم سے
ہم تو وہ ہیں جو لکیریں نہ ستارہ دیکھیں

بس یہی سوچ کے شہروں سے نکل آئے ہیں
کیسے ہوتا ہے تمہیں کھو کے گزارہ دیکھیں

اب تو ہر موڑ پہ ہمراز بدل جاتے ہیں
کس کو فرصت ہے کہاں کون پکارا دیکھیں

یہ تو اعجاز تصور کا ہے تیرے ورنہ
ہم تو ایسے ہیں کہ ہر موڑ سہارا دیکھیں

لوگ اس تاک میں برسوں سے لگے ہیں اختر
اس کی خاطر ہمیں کیا کیا ہے گوارا دیکھیں

اختر ملک

✿

مرا تو رنجشیں ساری مٹانے کا ارادہ تھا
گلے اس شخص کو پھر سے لگانے کا ارادہ تھا

چلو اچھا ہوا اس نے مجھے ساحل سے لوٹایا
مرا تو کشتیاں ورنہ جلانے کا ارادہ تھا

مچا دیتی ہیں پھر ہلچل خیالوں میں تری یادیں
وگرنہ تجھ کو اس دل سے بھلانے کا ارادہ تھا

بڑی منت سماجت سے کہیں جا کر وہ مانا ہے
جسے دو چار لفظوں میں منانے کا ارادہ تھا

وہ بازاروں میں کل ایسے بنا سنورا سا پھرتا تھا
کہ جیسے شہر کو پتھر بنانے کا ارادہ تھا

اسے اب دیکھنا بھی تو ذرا اچھا نہیں لگتا
کبھی آنکھوں میں جو چہرہ بسانے کا ارادہ تھا

اگر ویران شاخوں پر پرندوں کے نہ گھر ہوتے
تو اب سوکھے درختوں کو کٹانے کا ارادہ تھا

تمہیں ہی اک نہیں اختر یقیں مانو ابھی اس کا
زمانے بھر کو دیوانہ بنانے کا ارادہ تھا

اختر ملک

"یاد"

شام کے اجالوں میں
اپنے نرم ہاتھوں سے
کوئی بات اچھی سی
کوئی خواب سچا سا
کوئی بولتی خوشبو
کوئی سوچتا لمحہ
جب بھی لکھنا چاہو گے
سوچ کے دریچوں سے
یاد کے حوالوں سے
میرا نام چھپ چھپ کر
تم کو یاد آئے گا
ہاتھ کانپ جائیں گے
شام ٹھہر جائے گی

اسماء رفعت

"معطر ریشمی لڑکی"

اسے دیکھو تو اک گہرا سمندر ہے وہ شہزادی
نہ جانے کون ہے جس کا مقدر ہے، وہ شہزادی
میں کیسے یہ بتاؤں کتنی سندر ہے وہ شہزادی
خیالوں میں بسی ہے جو معطر ریشمی لڑکی

بہاریں، پھول، کلیاں اس کے دامن سے ہیں وابستہ
معطر شبنمی جھونکے ہیں خدمت پر کمربستہ
کسی ماہر نے پھولوں سے بنایا ہے یہ گلدستہ
خیالوں میں بسی ہے جو معطر ریشمی لڑکی

یہی بس جی میں آتا ہے کہ اس کے پاس جا پہنچوں
گرا کر سب حجابوں کو اسے دیکھوں، اسے پوجوں
چھپا ہے راز جو دل میں وہ سب دنیا کو بتلا دوں
خیالوں میں بسی ہے جو معطر ریشمی لڑکی

انور ندیم علوی

محبت

"محبت ہو اوس، محبت اگن ہو
محبت کی روح ہو، محبت بدن ہو
یہ ماتھے کی بندیا
یہ ہاتھوں کی مہندی
یہ پیروں کی پائل
محبت بنا دوں
کہیں سے میں لا کے یہ ہونٹوں کی لالی
اور آنکھوں کا کاجل
محبت بنا دوں
محبت کا دل ہو، محبت کی سانسیں
محبت کا دن ہو، محبت کی راتیں
محبت کے لب ہوں، محبت کے انداز
محبت کے ڈھب ہوں
محبت ملے تو
محبت سے کہہ دوں
محبت ہے، جاناں
محبت میں رہتے ہیں اکثر ہی گم سے

محبت کو دے دو
محبت سے سب کچھ
میں دونوں جہاں کو محبت بنا دوں
محبت کو لا کے محبت دکھا دوں
میں تم پہ محبت محبت لٹا دوں
میں تم کو محبت محبت بنا دوں
پر اتنی محبت کو
تم کیا کرو گے......؟"

آسیہ تسنیم

سانحہ

"تجھ کو چھوڑ کے آئی تھی جب
آنکھ میں غم کا پانی تھا
ہونٹ جو دیکھے پیاسے تھے
ہاتھ جو دیکھے خالی تھے
سارا جگ سوالی تھا
دل میں جھانکا خالی تھا"

آسیہ تسنیم

❁

کہیں چاند راہوں میں کھو گیا کہیں چاندنی بھی بھٹک گئی
میں چراغ وہ بھی بجھا ہوا مری رات کیسے چمک گئی

کبھی اُجلا اُجلا سا نام ہوں، کبھی کھویا کھویا کلام ہوں
مجھے صبح کرنوں سے بھر گئی مجھے شام پھولوں سے ڈھک گئی

تجھے بھول جانے کی کوششیں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں
تری یاد شاخِ گلاب ہے جو ہوا چلی تو لچک گئی

کبھی ہم ملے بھی تو کیا ملے وہی دوریاں وہی فاصلے
نہ کبھی ہمارے قدم بڑھے، نہ کبھی تمہاری جھجک گئی

مری داستان کا عروج تھا تری نرم پلکوں کی چھاؤں میں
مرے ساتھ تھا تجھے جاگنا تری آنکھ کیسے جھپک گئی

بشیر بدر

ایکٹیسی

سبز مدھم روشنی میں سُرخ آنچل کی دھنک
سرد کمرے میں مچلتی گرم سانسوں کی مہک

بازوؤں کے سخت حلقے میں کوئی نازک بدن
سلوٹیں ملبوس پر، آنچل بھی کچھ ڈھلکا ہوا

گرمیِ رخسار سے دہکی ہوئی ٹھنڈی ہوا
نرم زُلفوں سے مُلائم اُنگلیوں کی چھیڑ چھاڑ

سُرخ ہونٹوں پر شرارت کے کسی لمحے کا عکس
ریشمیں باہوں میں چوڑی کی کبھی مدّھم کھنک

شرمگیں لہجوں میں دھیرے سے کبھی چاہت کی بات
دو دلوں کی دھڑکنوں میں گونجتی تھی اِک صدا

کانپتے ہونٹوں پہ تھی اللہ سے صرف اِک دُعا
کاش یہ لمحے ٹھہر جائیں ٹھہر جائیں، ذرا!

پروین شاکر

"نیند تو اُڑ ہی جاتی ہے"

خوابوں میں، تجھ سے ملنے کا!
پیغام، صباء جب لاتی ہے
تب، دستک بن!
ان پلکوں کی دہلیزوں سے
سب نیند مری، اُڑ جاتی ہے
اور تجھ سے ملنے کی اِک خواہش!
ساری رات جگاتی ہے
اب تُو ہی بتا
پھر اتنی خوشی میں!
نیند بھلا کب آتی ہے
کہ نیند تو اُڑ ہی جاتی ہے

ثوبیہ غزل

❁

اب کے عذاب دوھرا اُٹھانا پڑا مجھے
تجھ سے ملے بغیر ہی جانا پڑا مجھے

پھر اپنی دسترس سے بھی میں دور ہو گئی
اپنے لیے ہی جال بچھانا پڑا مجھے

تھیں تیرہ بختیاں ہی مقدر میں اس قدر!
یادوں کا شمعداں بھی بجھانا پڑا مجھے

وہ کیا جدا ہوا کہ میں خود سے بچھڑ گئی!
آواز دے کے خود کو بلانا پڑا مجھے

جس میں کہیں تمہارا بھی کچھ ذکر آ گیا
وہ شعر بار بار سنانا پڑا مجھے

ثوبیہ غزل

❁

ہر سمت لطافت ہی لطافت سی لگے ہے
تو ہے تو یہ دنیا مجھے جنت سی لگے ہے

ہر بار تو اس طرح ڈھلکتا نہیں آنچل
کچھ اس میں مجھے تیری شرارت سی لگے ہے

کیا تجھ کو ضرورت کسی اندازو ادا کی
تو یوں ہی مجھے ایک قیامت سی لگے ہے

آنکھیں جو اٹھائے تو محبت کا گماں ہو
نظروں کو جھکائے تو شکایت سی لگے ہے

یہ تیرے خدوخال میں مریم کا تقدس
آنکھوں کو جھکاؤں تو عبادت سی لگے ہے

جان نثار اختر

❁

تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا
زندگی دھوپ تم گھنا سایا

آج پھر دل نے اِک تمنا کی
آج پھر دل کو ہم نے سمجھایا

تم چلے جاؤ گے تو سوچیں گے
ہم نے کیا کھویا ہم نے کیا پایا

ہم جسے گنگنا نہیں سکتے
وقت نے ایسا گیت کیوں گایا

جاوید اختر

کبھی یوں بھی تو ہو......!

کبھی یوں بھی تو ہو......
دریا کا ساحل ہو......
پورے چاند کی رات ہو
اور تم آؤ......
کبھی یوں بھی تو ہو
پریوں کی محفل ہو
کوئی تمہاری بات ہو
اور تم آؤ......
یہ نرم ملائم ٹھنڈی ہوائیں
تمہارے گھر سے گزریں
تمہاری خوشبو چرائیں
میرے گھر لے آئیں
کبھی یوں بھی تو ہو
سُونی ہو محفل ہو
کوئی تمہاری بات ہو
اور تم آؤ......
یہ بادل ایسا ٹوٹ کے برسے
میرے دل کی طرح ملنے کو

تمہارا دل بھی ترسے......
تم نکلو گھر سے
کبھی یوں بھی تو ہو......
تنہائی ہو دل ہو......
بوندیں ہوں برسات ہو
اور تم آؤ......

جاوید اختر

❁

نیا اک ربط پیدا کیوں کریں ہم
بچھڑنا ہے تو جھگڑا کیوں کریں ہم

خموشی سے ادا ہو رسمِ دوری
کوئی ہنگامہ برپا' کیوں کریں ہم

یہ کافی ہے' کہ ہم دشمن نہیں ہیں
وفاداری کا دعویٰ' کیوں کریں ہم

وفا' اخلاص' قربانی' محبت
اب ان لفظوں کا پیچھا' کیوں کریں ہم

ہماری ہی تمنا کیوں کرو تم
تمہاری ہی تمنا کیوں کریں ہم

کیا تھا عہد' جب لمحوں میں ہم نے
تو ساری عمر' ایفا کیوں کریں ہم

نہیں دنیا کو' جب پروا ہماری
تو پھر دنیا کی پروا' کیوں کریں ہم

یہ بستی ہے' مسلمانوں کی بستی
یہاں کارِ مسیحا' کیوں کریں ہم

جون ایلیا

یونہی تو دیپ نہیں راہ میں جلایا تھا
چراغ جیسا کوئی شخص یاد آیا تھا

وہ دوست تھا مگر اُس نے کبھی نہ پوچھا حال
یہ اور بات کہ میں نے بھی کب بتایا تھا

نجانے کیوں مری حالت پہ لوگ ہنستے رہے
کسی کا میں نے یہاں دل نہیں دکھایا تھا

قصوروار سمجھنے لگا میں خود کو بہت
کچھ اس تپاک سے اُس نے گلے لگایا تھا

خزاں درختوں سے کمرے میں آ چکی تھی حسنؔ
ہوا نے مجھ کو بہت بعد میں جگایا تھا

حسنؔ عباسی

اسے تو کھو ہی چکے پھر خیال کیا اس کا
یہ فکر کیسی کہ اب ہو گا حال کیا اس کا

وہ ایک شخص جسے خود ہی چھوڑ بیٹھے تھے
گھلائے دیتا ہے دل کو ملال کیا اس کا

تمہاری آنکھوں میں چھلکیں ندامتیں کیسے؟
جواب بننے لگا تھا سوال کیا اس کا

تمہارے اپنے ارادے میں کوئی جھول تھا
کہو کہ ملنا تھا ایسا محال کیا اس کا

وہ نفرتوں کے بھنور میں بھی مسکرا کے ملا
اب اس سے بڑھ کے بھلا ہو کمال کیا اس کا

اب اس طرح بھی نہ یادوں کی کرچیاں چنئے
نہ تھا فراق سے بہتر وصال کیا اس کا

یہ سوچ کر نہ ملے پھر اسے کبھی خالد
کہ جانے ہو گا ندامت سے حال کیا اس کا

خالد شریف

جُدائی کی گھڑی

تو جاناں
اب جُدائی کی گھڑی نزدیک آتی ہے
چلو آنکھوں پہ بوسہ دو
کہ اب بچھڑے تو شاید پھر کبھی ملنے نہ پائیں ہم
زمانہ درمیاں یوں آ گیا ہے
کہ اب دُوری یقینی ہو گئی ہے
ہم اپنے آپ میں گُم بڑھتے جاتے تھے
بلا سوچے بلا سمجھے
مگر اب کے
زمانہ درمیاں یوں آ گیا ہے
کہ خوابوں کی کوئی تعبیر ممکن ہی نہیں ہے
اور کچھ اس میں ہماری اور تمہاری نیتوں کا دوش بھی ہے
تو جاناں
اَب جُدائی کی گھڑی نزدیک آتی ہے
چلو آنکھوں پہ بوسہ دو
کہ اب بچھڑے تو شاید پھر کبھی ملنے نہ پائیں ہم

خالد شریف

✿

اپنے ماحول سے بچھڑی ہُوئی تم لگتی ہو
پاس بیٹھی ہو پہ اُلجھی ہُوئی تم لگتی ہو

بیچ اپنے ہے کوئی پچھلے جنم کا رشتہ
جاگتے سوتے میں دیکھی ہوئی تم لگتی ہو

یہ لب و لہجہ یہ آنکھیں نہیں اِس دُنیا کی
مُجھ کو مریخ سے آئی ہُوئی تم لگتی ہو

چاندنی رات میں پھیلی ہُوئی خُوشبو کی طرح
مجھ کو ہر سمت سے آتی ہُوئی تم لگتی ہو

ایک بے نام اُداسی کی جَھلک چہرے پر
شاید اس شہر سے رُوٹھی ہُوئی تم لگتی ہو

خالدشریف

ایک شعر

تیری بھیجی ہُوئی خُوشبو کو پہن کر جاناں
رات پھر دیر تلک مَیں نے تجھے دیا کیا

خالدشریف

حُسنِ فطرت نے مُجھ پہ جادو کیا، دِل وہیں رہ گیا
پُھول، کُہسار، جنگل، ستارے، ہَوا، دِل وہیں رہ گیا

تم مجھے ساتھ لے آئے اچھا کیا، پر تمہیں کیا پتہ
میرے محسن مرے یارِ درد آشنا، دِل وہیں رہ گیا

یوں ہُوا جیسے بجلی سی چمکی وہاں اور کیا ہو بیاں
آنکھ کُھلتے ہی دیکھا کہ سب ٹھیک تھا، دل وہیں رہ گیا

مَیں خداؤں کی بستی میں محبوس تھا، ذہن مفلوج تھا
جس جگہ کوئی اِنسان مجھ کو مِلا، دِل وہیں رہ گیا

خرمنِ جاں پہ جب برقِ وحشت گری تب کِسے ہوش تھا
جِسم کو خیر میں نے سنبھالا دیا، دِل وہیں رہ گیا

اُس نے خالدؔ مجھے آج اپنا کہا، کیسے ممکن ہُوا
گھر تو مَیں آگیا سوچتا سوچتا، دِل وہیں رہ گیا

خالدشریف

اِس غم کو تو اَب دل میں سمونا، ہی پڑے گا
آنکھیں جو بھر آئی ہیں تو رونا ہی پڑے گا

وہ شخص مرادوں سے جسے پایا تھا ہم نے
محسوس یہ ہوتا ہے کہ کھونا ہی پڑے گا

اب جی کو جلاتے ہُوئے اِک عُمر ہوئی ہے
اب ہم کو تری طرح کا ہونا ہی پڑے گا

یہ ہجر کا موسم کہیں بے کار نہ جائے
باقی جو بچا ہے اُسے کھونا، ہی پڑے گا

اِس کِشت ملامت میں مِری جان ذرا دیکھ
یہ تخمِ محبت ہے کہ بونا ہی پڑے گا

خالد شریف

❁

اپنے ہونے کا پتا دیتی ہے
زندگی یوں بھی سزا دیتی ہے

دل سلگنے کا پتا چلتا ہے
یاد جب راکھ گرا دیتی ہے

یہ ہنر ماں کے سوا کس کا ہے
بھوکے بچوں کو سلا دیتی ہے

یوں اُڑاؤ نہ محبت کا مذاق
یہ تو بندے کو خدا دیتی ہے

میں سلا دیتا ہوں زخموں کو مگر
اک نیا درد ہوا دیتی ہے

زندہ رہنا ہے تو شکوہ کیسا
موت ہر دُکھ کو مٹا دیتی ہے

خالد عمران مطہرؔ

❁

وہ ہم میں یوں سمائیں، ہم اُن میں یوں سمائیں
وہ ہم کو بھول جائیں، ہم اُن کو بھول جائیں

جاتی ہیں آسماں تک فرقت کی شب دعائیں
آگے مرا مقدر، وہ آئیں یا نہ آئیں

کیوں اُن وفا پرستوں پر جاں نہ دیں جفائیں
کھا کھا کے دل پہ چوٹیں جو مسکرائے جائیں

راتیں ہیں خوب واقف اے بدظن محبت
میں نے تڑپ تڑپ کر دی ہیں تجھے دعائیں

انگڑائیاں نہ لے یوں اوسو کے اُٹھنے والے
ان مست انکھڑیوں کے ساغر چھلک نہ جائیں

خمار بارہ بیکوی

تری چاہت کسی موسم میں بھی تو کم نہیں ہوتی
دیے کی لو ہوا میں تو کبھی مدھم نہیں ہوتی

ترے شانے پہ سر رکھنا نہیں ہے اب مرے بس میں
مگر دل سے مرے کیونکر یہ خواہش کم نہیں ہوتی

جو ہنستے ہوں یہ ہنستی ہے جو روتے ہوں نہیں روتی
کسی کے غم میں یہ دنیا شریکِ غم نہیں ہوتی

دلوں میں لاکھ طوفاں ہوں نہ آنکھوں سے عیاں کرنا
کہ یہ جاگیر سانجھی تو مرے ہمدم نہیں ہوتی

کسی کو راز مت دینا تم اپنی زندگانی میں
کہ یہ دنیا کسی کی بھی کبھی محرم نہیں ہوتی

دلشاد احمد فراز

شبنمی رات سہانی ہے مجھے فون کرو
اک غزل تم کو سنانی ہے مجھے فون کرو

پھر نیا خواب دکھانا ہے سحر ہونے تک
پھر نئی شمع جلانی ہے مجھے فون کرو

دائمی وصل کا احساس دلانا ہے تمہیں
رات چپ چاپ بتانی ہے مجھے فون کرو

تیز بارش ہے، ہوائیں سرد موسم ہے
ہر طرف پانی ہی پانی ہے مجھے فون کرو

میں بھی بہکے ہوئے جذبات کی زد میں ہوں ابھی
تم پہ بھی دور جوانی ہے مجھے فون کرو

نہ میں برباد ہوں نہ ابھی رسوا تم
نامکمل یہ کہانی ہے مجھے فون کرو

تم سے ملکر ہی میں بچھڑوں کوئی لازم تو نہیں
پھر بھی اک رسم نبھانی ہے مجھے فون کرو

راج کنور

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ستارے مل نہیں سکتے''

عجب دن تھے محبت کے
عجب دن تھے رفاقت کے
کبھی گر یاد آ جائیں تو پلکوں پر ستارے جھلملاتے ہیں
کسی کی یاد میں راتوں کو اکثر جاگنا معمول تھا اپنا
کبھی گر نیند آ جاتی
تو ہم یہ سوچ لیتے تھے
ابھی تو وہ ہمارے واسطے رویا نہیں ہوگا
ابھی سویا نہیں ہوگا
ابھی ہم بھی نہیں روتے
ابھی ہم بھی نہیں سوتے
سو پھر ہم جاگتے تھے اور اس کو یاد کرتے تھے
اکیلے بیٹھ کر ویران دل آباد کرتے تھے
ہمارے سامنے تاروں کے جھرمٹ میں اکیلا چاند ہوتا تھا جو اس کے
حسن کے آگے بہت ہی ماند ہوتا تھا
فلک پر رقص کرتے ان گنت روشن ستاروں کو
جو ہم ترتیب دیتے تھے تو اس کا نام بنتا تھا
ہم اگلے روز جب ملتے
تو گزری رات کی ہر بے کلی کا ذکر کرتے تھے

ہر اک قصہ سناتے تھے
کہاں، کس وقت، کس طرح سے دل دھڑکا بتاتے تھے
میں جب کہتا...... کہ جاناں
آج تو میں رات کو اک پل نہیں سویا
تو وہ خاموش رہتی تھی
پر اس کی نیند میں ڈوبی ہوئی دو جھیل سی آنکھیں
اچانک بول اٹھتی تھیں
میں جب اس کو بتاتا تھا
کہ میں نے رات کو روشن ستاروں میں تمہارا نام دیکھا ہے
تو وہ کہتی
''رضی تم جھوٹ کہتے ہو''
ستارے میں نے دیکھے تھے
اور ان روشن ستاروں میں تمہارا نام لکھا تھا
عجب معصوم لڑکی تھی
مجھے کہتی تھی ''لگتا ہے کہ اب اپنے ستارے مل ہی جائیں گے''
مگر اس کو خبر کیا تھی
کنارے مل نہیں سکتے
محبت کی کہانی میں
محبت کرنے والوں کے
ستارے مل نہیں سکتے

رضی الدین رضی

✿

کیا کروں اب کوئی بھی اچھا نہیں لگتا مجھے
تو بھی پہلے کی طرح اپنا نہیں لگتا مجھے

اب تری باتیں مرے دل میں اُترتی ہی نہیں
تُو وہی ہے پر ترا لہجہ نہیں لگتا مجھے

تُو، تو اب آدھے بدن سے ساتھ چلتا ہے مرے
تیرے شانوں پہ ترا چہرہ نہیں لگتا مجھے

تُو کبھی تقسیم کرتا تھا ہوائیں چار سُو
اب ترے بھی پاس اِک جھونکا نہیں لگتا مجھے

اب لفافے سے تری خوشبو نہیں آتی مجھے
خط بھی تیرے ہاتھ کا لکھا نہیں لگتا مجھے

زاهد فخری

✿

بہت آسان ہے خود کو مٹانا
بہت مشکل مگر تجھ کو بھلانا

بچھڑنا پڑ گیا ملتے ہی ہم کو
ہمارا ہے بس اتنا سا فسانہ

حدیں صبر و رضا کی توڑ ڈالیں
چھلک ہی جائے گا اپنا پیمانہ

گزر ہو اُس کی محفل سے کبھی تو
اُسے غزلیں مری جا کر سنانا

بچھڑ کر مجھ سے وہ تو خوش ہے لیکن
مرا کیا حال ہے اس کو بتانا

اگر تم کو یونہی ہم یاد آئیں
تمہارے منتظر ہیں لوٹ آنا

زبیر قریشی

❁

تیرے ہونٹوں پہ تبسم کی وہ ہلکی سی لکیر
میرے تخیل میں رہ رہ کے جھلک اٹھتی ہے

یوں اچانک ترے عارض کا خیال آتا ہے
جیسے طلعت میں کوئی شمع بھڑک اٹھتی ہے

میں سلگتے ہوئے رازوں کو عیاں تو کر دوں
لیکن ان رازوں کی تشہیر سے جی ڈرتا ہے

رات کے خواب اُجالے میں بیاں تو کردوں
ان حسیں خوابوں کی تعبیر سے جی ڈرتا ہے

تیری سانسوں کی تھکن تیری نگاہوں کا سکوت
درحقیقت کوئی رنگین شرارت ہی نہ ہو

میں جسے پیار کا انداز سمجھ بیٹھا ہوں
وہ تبسم وہ تکلم تری عادت ہی نہ ہو

کہیں ایسا نہ ہو پاؤں مرے تھرا جائیں
اور تری مرمریں بانہوں کا سہارا نہ ملے

اشک بہتے رہیں خاموش سیہ راتوں میں
اور ترے ریشمی آنچل کا کنارا نہ ملے

ساحر لدھیانوی

❁

پتھر کے خدا، پتھر کے صنم! پتھر کے ہی انساں پائے ہیں
تم شہرِ محبت کہتے ہو ہم جان بچا کر آئے ہیں

بت خانہ سمجھتے ہو جس کو پوچھو نہ وہاں کیا حالت ہے
ہم لوگ وہیں سے لوٹے ہیں بس شکر کرو لوٹ آئے ہیں

ہم سوچ رہے ہیں مدت سے اب عمر گزاریں بھی تو کہاں
صحرا میں خوشی کے پھول نہیں شہروں میں غموں کے سائے ہیں

ہونٹوں پہ تبسم ہلکا سا آنکھوں میں نمی سی اے فاقر
ہم اہل محبت پر اکثر ایسے بھی زمانے آئے ہیں

سدرشن فاقر

رسمِ دنیا جان کر ہرگز نہ یارانہ کرو
دوستی کے باب میں دل کا کہا مانا کرو

ایک دھیما سا تبسم رسم ہی سی بن گیا
دوستو! اپنے پرائے کو تو پہچانا کرو

روشنی کا قحط ہے پر فکرِ فردا کس لئے
خون کی تنویر سے روشن سیہ خانہ کرو

چھوٹی موٹی بات ہو تو جنسِ غم دیتے رہو
جرم ہو سنگین تو خوشیوں کا جرمانہ کرو

رسمِ شبیری دوامِ زیست ہے سلطان رشکؔ
زیست کرنی ہے اگر تو سرفروشانہ کرو

سلطان رشک

محبت

پہلے اک کونپل سی پھوٹی
پھر اک پودا سا لہرایا
پھر اک پھول وہاں مسکایا
اب وہ خوشبو
میرے لہو میں
ایک تناور پیڑ کی صورت میں رہتی ہے

طارق مرزا

تمہیں کس قدر ہے چاہا......

یہ جو زیست کا سفر ہے
یہ جو راستہ ہے میرا
تم اگر نہ ساتھ دو گے
تو یہ کس طرح کٹے گا
مری سوچ کی حدوں تک
یہ گماں بھی کیسے آئے
کوئی پل بنا تمہارے
بھلا کیسے بیت جائے
میرے پاس تم نہیں ہو
میرے پاس کب نہیں ہو
مری یاد کے نگر میں
مرے خواب کے سفر میں
مری سوچ کی تہوں تک
مری آنکھ کے بھنور میں
مرے دل میں جاں میں تن میں
مری حسرتوں کے بَن مین
مرے دن کی تیرگی میں

مری شب کی روشنی میں
ہاں تمہی ہو، ہر کہیں ہو
مرے پاس تم نہیں ہو
مری ہر دعا کا محور
بس اِک آرزو تمہاری
اِسی آرزو سے آگے
کوئی راستہ نہیں ہے
تمہیں کس قدر ہے چاہا
یہ تمہیں پتہ نہیں ہے

سلمان قیصر

سندیسہ

اسے کہنا
کبھی ملنے چلا آئے
ہمارے پاؤں میں جو راستہ تھا
راستے میں پیڑ تھے
پیڑوں پہ جتنی طائروں کی ٹولیاں
ہم سے ملا کرتی تھیں
اب وہ اڑتے اڑتے تھک گئی ہیں
وہ گھنی شاخیں جو ہم پر سایا کرتی تھیں
وہ سب مرجھا گئیں ہیں
تم اسے کہنا
کبھی ملنے چلا آئے
لبوں پر لفظ ہیں
لفظوں میں کوئی داستاں، قصہ، کہانی
جو اسے اکثر سناتے تھے
کسے جا کر سنائیں گے
بتائیں گے
کہ ہم محراب ابرو میں ستارے ٹانکنے والے
درلب، بوسہ اظہار کی دستک سے اکثر کھولنے والے

کبھی بکھری ہوئی زلفوں میں ہم
مہرات کے گجرے بنا کر باندھنے والے
چراغ اور آئینے کے درمیاں
کب سے سر ساحل کھڑے موجوں کو تکتے ہیں
اسے کہنا
اسے ہم یاد کرتے ہیں
اسے کہنا
ہم آ کر خود اسے ملتے
مگر مقتل بدلتے موسموں کے خوں میں رنگیں ہیں
اور ہم
قطار اندر قطار ایسے بہت سے موسموں کے درمیاں
تنہا کھڑے ہیں
جانے کب اپنا بلاوا ہو
کہ ہم میں آج بھی
اک عمر کی وارفتگی اور وحشتوں کا رقص جاری ہے
وہ بازی جو بساط جاں پہ کھیلی تھی
ابھی ہم نے جیتی ہے نہ ہاری ہے
اسے کہنا کبھی ملنے چلا آئے
کہ اب کی بار شاید
اپنی باری ہے

سلیم کوثر

وہ تو یہ کہئے گھڑی تجھ سے جدا ہونے کی تھی
ورنہ یہ ساعت جو تھی میرے خدا ہونے کی تھی

تجھ کو یہ ضد کہ میں تری آنکھوں سے دیکھتا
اور مجھے خواہش ترے لب سے ادا ہونے کی تھی

میری بینائی خس و خاشاک موسم لے اڑے
جسم و جاں میں تو سکت' تجھ سے رہا ہونے کی تھی

ایک چپ رہنے کے سب الزام مجھ پر ہی نہ تھے
خامشی پر بھی تو تہمت لب کشا ہونے کی تھی

خلوت جاں میں اگر آنا ہے تو دستک نہ دے
مجھ سے وہ بھی کب ہوئی ہے جو خطا ہونے کی تھی

میں خود اپنی آگ ہی میں جل بجھا تو یہ کھلا
شرط جلنے کی نہیں تھی کیمیا ہونے کی تھی

روٹھنے والے کو آخر کون سمجھاتا سلیم
یہ بھی کوئی عمر اب اس کے خفا ہونے کی تھی

سلیم کوثر

ایک پل چین سے سویا بھی نہیں جا سکتا
کیا کریں ٹوٹ کے رویا بھی نہیں جا سکتا

خواب اشکوں کی طرح آنکھ سے جھڑتے بھی نہیں
بوجھ ایسا ہے کہ ڈھویا بھی نہیں جا سکتا

عشق وہ داغ کہ لگتا نہیں ہر دامن پر
اور لگ جائے تو دھویا بھی نہیں جا سکتا

ایسے موتی بھی کوئی موتی ہیں اے دیدۂ تر
جن کو دھاگے میں پرویا بھی نہیں جا سکتا

کیا قیامت ہے کہ ساحل بھی مقدر میں نہیں
اور سفینے کو ڈبویا بھی نہیں جا سکتا

ایک لمحہ جسے پانے میں زمانے بیتے
کھونا چاہا ہے تو کھویا بھی نہیں جا سکتا

آنکھ تر تھی تو سمندر مری آغوش میں تھا
اب تو دامن کو بھگویا بھی نہیں جا سکتا

اشک جم جاتے ہیں پتھرائی ہوئی آنکھوں میں
غم زیادہ ہو تو رویا بھی نہیں جا سکتا

سید انصر

تمہیں مجھ سے محبت ہے

میرا دل مجھ سے کہتا ہے
''تمہیں مجھ سے محبت ہے''
گماں کی تیرہ شب کی چیرہ دستی میں
فلک کی چادروں میں راکھ ہوتی ماہ و انجم کی
حزیں محفل میں اب بھی اِک ستارہ جگمگاتا ہے
سمندر میں سفر کرتی ہَوا کی کشتیوں کو راہ دکھاتا ہے
جزیروں کے کناروں پر کسی ٹوٹے گھروندے میں
کوئی جذبہ ہواؤں کی صداؤں سے اُبھرتا ہے
فضاؤں میں بکھرتا ہے، تو ایسے میں
یقیں کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہر ایک منظر جاگ اُٹھتا ہے
ہوائیں اس حسیں جذبے کو چندن سے مرے ماتھے پہ
آ کے ثبت کرتی ہیں
محبت کا پکھیرو پھر سے لحنِ جاں فزا میں گنگناتا ہے
جسے ہم نے کبھی اِک ساتھ دیکھا تھا وہی ماہتاب
میری روح کی ویران آنکھوں کے جھروکوں میں چمکتا ہے
تو روشن زندگی کے خواب فردا کے نئے گھر کی

کھلی چھت پر اچانک مسکراتے ہیں
مرے دل کی زمینوں میں کھلے پھولوں کے سائے میں
تمہاری یاد کا ہر پل مہکتا ہے
مرے تن پہ کوئی ساون تمہارے پیار کی صورت
بہت کھل کر برستا ہے
میرا دل پھر مری تائید کرتا ہے
تمہیں مجھ سے محبت ہے
بدن میں جان کی صورت
کسی ایمان کی صورت
تمہیں مجھ سے محبت ہے

شازیہ ایمان

❀

پھر کبھی لوگوں کی باتوں میں نہیں آئے گا وہ
دیکھ لینا مجھ سے مل کر ٹھیک ہو جائے گا وہ

میرے اس کے درمیاں کوئی بڑا جھگڑا نہیں
لیکن اس کو طول دے گا خوب پھیلائے گا وہ

چھوٹی چھوٹی رنجشوں کو بھول جانا چاہیے
جانے اس نکتے کو آخر کب سمجھ پائے گا وہ

اس کی خاطر میں تو اس دُنیا سے کٹ کر رہ گئی
وہ زمانہ ساز ہے اچھا تو کہلائے گا وہ

صلح تو کر لے گا آ کے مجھ سے لیکن اس کے بعد
جب ملے گا بس یہی احسان جتلائے گا وہ

میں بھی کچھ ایسی گئی گزری نہیں کہہ دو اسے
آنکھ اُٹھا کر بھی نہ اب دیکھوں گی پچھتائے گا وہ

دیکھو شبنمؔ یہ غزل اس تک بھی پہنچے گی ضرور
پھر نہ کڑھنا بیٹھ کر جب اور اترائے گا وہ

شبنم شکیل

تناؤ میں جب آ جائیں تو دھاگے ٹوٹ جاتے ہیں
ذرا سی بات پر دیرینہ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

تمہیں اِس بات پر حیرت کہ ٹوٹا ہے ہمارا دل
مقابل جبکہ ہوں پتھر تو شیشے ٹوٹ جاتے ہیں

گزرتے وقت سے چیزیں پرانی ہو ہی جاتی ہیں
دلوں پہ میل پڑتی ہے تو جذبے ٹوٹ جاتے ہیں

ہزاروں خواہشیں ترتیب پاتی ہیں خیالوں میں
مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو سپنے ٹوٹ جاتے ہیں

اُمڈ آتے ہیں جھریوں میں ہزاروں دُکھ زمانے کے
گزر کر عمر کے حصے سے چہرے ٹوٹ جاتے ہیں

نجانے کیوں تمہاری یاد آتی ہے مجھے اُس دم
مرے آنگن میں جب بیلوں کے پتے ٹوٹ جاتے ہیں

دُکھوں میں تو نکل آتے ہیں آنکھوں سے ظہیرؔ آنسو
خوشی کے موسموں میں بھی کنارے ٹوٹ جاتے ہیں

ظہیر احمد

ہمیں اچھا نہیں لگتا

کسی کا آسرا لینا، ہمیں اچھا نہیں لگتا
گلوں کا ڈال سے گرنا، ہمیں اچھا نہیں لگتا

ہمیں اچھا وہ لگتا ہے کہ جس کی ملکیت یہ ہیں
یہ بالی، چوڑیاں، کنگنا ہمیں اچھا نہیں لگتا

یہ کیا کہ بے سبب پھرتے رہو ساحل پہ شاموں کو
کسی سے اُلفتیں کرنا، ہمیں اچھا نہیں لگتا

ہمیں اکثر تری نادانیوں سے خوف آتا ہے
ترا لوگوں سے یوں ملنا، ہمیں اچھا نہیں لگتا

تمہارے نرم و نازک سے بدن کو چھو کے کیوں گزرے
ہوا کا اس طرح چلنا، ہمیں اچھا نہیں لگتا

ہمارے ساتھ رہنا ہے تو ہنس کر سیکھ لو جینا
مرے ہمدم! ترا رونا، ہمیں اچھا نہیں لگتا

اگرچہ ہے بڑی نایاب شے یہ خوش مزاجی بھی
مگر ہر بات پر ہنسنا، ہمیں اچھا نہیں لگتا

فقط حسرت بھری اِس زندگی کا فائدہ کیا ہے؟
کبھی بھی پھول کا کھلنا' ہمیں اچھا نہیں لگتا

مری اِس کیفیت کو جو بھی چاہو نام دے ڈالو
مگر تم سے جُدا رہنا' ہمیں اچھا نہیں لگتا

مرے اشعار میں ہوتے ہیں تیرے حسن کے جلوے
سرِ محفل غزل کہنا' ہمیں اچھا نہیں لگتا

تمہاری یاد ہی اکثر ہمیں مجبور کرتی ہے
وگرنہ شاعری کرنا' ہمیں اچھا نہیں لگتا

ظہیر احمد

میں سوچ رہا ہوں کہ میں ہوں بھی کہ نہیں ہوں
تم ضد پہ اڑی ہو کہ کسی کا نہیں بنتا

اس زہر کو کیوں رگ و پے میں اُتاروں
جس زہر کی تاثیر کو نشہ نہیں بنتا

اس وقت تو وہ خود بھی مناجات میں گم ہے
اس وقت تو اُس کو بھی دلاسا نہیں بنتا

میں رات کی اینٹیں تو بہت جوڑ رہا ہوں
پر مجھ سے ترے دن کا دریچہ نہیں بنتا

اس درد کی تحویل میں رہتے ہوئے ہم کو
چپ چاپ بکھرنا ہے تماشا نہیں بنتا

اس نے مجھے رکھنا ہی نہیں آنکھوں میں عامر
اور مجھ سے کوئی اور ٹھکانا نہیں بنتا

سمجھوتے کے پتوار سنبھالو کہ سہیل اب
اُس کو تیرے دریاؤں کا کاسہ نہیں بنتا

عامر سہیل

جب سینہ غم سے بوجھل ہو اور یاد کسی کی آتی ہو
تب کمرے میں بند ہو جانا اور چپکے چپکے رو لینا

جب آنکھیں باغی ہو جائیں اور یاد میں میری بھر آئیں
پھر خود کو دھوکا مت دینا اور چپکے چپکے رو لینا

جب پلکیں کرب سے موندی ہوں اور سب سمجھیں تم سوتے ہو
تب منہ پر تکیہ رکھ لینا اور چپکے چپکے رو لینا

یہ دنیا ظالم دنیا ہے یہ بات بہت پھیلائے گی
تم سامنے سب کے چپ رہنا اور چپکے چپکے رو لینا

جب بارش چہرا دھو ڈالے اور اشک بھی بوندیں لگتے ہوں
وہ لمحہ ہرگز مت کھونا اور چپکے چپکے رو لینا

عبیداللہ علیمؔ

کتنا حسین پھر سے نظارہ بنا دیا
جیسے خدا نے اس کو دوبارہ بنا دیا

آیا تھا امتحان میں مضمون حسن پر
پرچے میں سب نے چہرہ تمہارا بنا دیا

کشتی کو آسرا کوئی تھوڑا سا تو رہے
رنگوں سے بادباں پہ کنارہ بنا دیا

یوسف کے حسن کی ذرا تانیث پوچھ لی
کاغذ پہ سب نے چہرہ تمہارا بنا دیا

احسان لے سکا نہ خود اپنا بھی میں عدیمؔ
خود کو بھی دوسروں کا سہارا بنا دیا

عدیم ہاشمی

آیا ہی تھا نظر کہ نظارہ مٹا دیا
طوفاں نے ایک پل میں کنارہ مٹا دیا

آئے جو لہر آ کے تجھے لے نہ جائے ساتھ
ساحل پہ لکھ کے نام تمہارا مٹا دیا

میں نے کہا کہ نام ہتھیلی پہ ہے ابھی
وہ ہنس کے دور سے ہی پکارا' مٹا دیا

ندی میں عکس چاند کا اور اس کا عکس بھی
یہ تو ہوا نے چل کے نظارہ مٹا دیا

پوچھا کہ زندگی کی حقیقت ہے کس قدر
نقشِ قدم زمیں پہ اُبھارا مٹا دیا

اِک زرد سی لکیر کھینچی آسمان پر
قسمت نے جانے کس کا ستارہ مٹا دیا

وہ جس کو زعم تھا کہ ہمیشہ رہوں گا میں
کتبہ بھی اس کا وقت نے سارا مٹا دیا

خاکہ وفا کا اس نے بنایا تو تھا مگر
جتنا سنور سکا تھا سنوارا' مٹا دیا

میں اس کا حُسن دیکھ کے زندہ رہا عدیؔم
اس نے تو سب کو جان سے مارا' مٹا دیا

عدیم ھاشمی

ترا شیریں لب و لہجہ، مَیں کیسے بھول سکتا ہوں
اور اُس پر چاند سا چہرہ، میں کیسے بھول سکتا ہوں

وہ جس دم کھو گیا تھا میں تری چاہت کے میلے میں!
بتا، مجھ کو کہ وہ لمحہ، مَیں کیسے بھول سکتا ہوں؟

وہ جس میں کی بیاں تم نے حقیقت، زندگانی کی!
ترا سادا سا وہ جملہ میں کیسے بھول سکتا ہوں؟

کسی کے ہجر میں برسوں جہاں کی خاک چھانی ہے!
بھلا اُس دشت کا رستہ میں کیسے بھول سکتا ہوں

کسی تلوار کی طرح وہ جس نے دل کو چیرا تھا!
وہ تیری آنکھ کا کجلہ، میں کیسے بھول سکتا ہوں؟

وہ جو سیراب کرتا تھا مرے احساس کو یاوؔر!
محبت کا وہ سرچشمہ میں کیسے بھول سکتا ہوں؟

عمران رشید یاور

لاکھ کاٹا ہے تری یاد کو جڑ سے میں نے!
کیا کروں، پھر یہ شجر مجھ میں نکل آتا ہے؟

جب بھی سوچا ہے محبت نہیں کرنی، اب کے!
پھر، محبت کا اثر مجھ میں نکل آتا ہے

چلتے چلتے جو تھکاوٹ سے میں ستانے لگوں
اپنی جانب کا سفر مجھ میں نکل آتا ہے

شام پڑتے ہی اداسی کا یہ موسم یاوؔر!
لاکھ روکوں میں مگر مجھ میں نکل آتا ہے

عمران رشید یاور

چاند نے بادل اوڑھ لیا

اک شب تاروں کے جھرمٹ میں
چاند اُتر کر چھت پر آیا
ہولے سے پھر مجھ سے بولا
حیراں حیراں سی آنکھوں سے
آؤ مجھ کو بڑھ کر چھولو
میں گھبرائی...... کچھ شرمائی
اور یوں بولی
ایسا کیونکر ہو سکتا ہے
اس کا جب اصرار بڑھا تو
میں نے چاہا
آگے بڑھ کر اس کو چھولوں
لیکن تب تک
چاند نے بادل اوڑھ لیا تھا

فاخرہ بتول

"محبت کی یہی تعریف ہے"

ازل سے ہے محبت ماوراء لفظوں کی مالا ہے
مگر یہ بھی حقیقت ہے
محبت سوچ کے آکاش پر بادل کی صورت میں
سدا پرواز کرتی
کبھی بارش کی بوندوں میں سمٹ کر دل کی دھرتی پر
اترتی ہے...... بکھرتی ہے
ادا لے کر صبا سے یہ' گلابوں سے مہک لے کر
دھنک سے رنگ لے کر اور ستاروں سے چمک لے کر
حسیں آنچل بناتی ہے
اسی آنچل سے پھر خوابوں کے کچے گھر سجاتی ہے
محبت آزماتی ہے
کبھی یہ شعر بن کر لفظ کی حرمت بڑھاتی ہے
کبھی یہ ساز بن کر دھیرے دھیرے گنگناتی ہے
سراپا آنکھ بن جاتی ہے یہ محبوب کو پا کر
انوکھا لمس بن جاتی ہے کوئے یار میں جا کر
نہ جانے کون سا منتر یہ پڑھ کر ہولے ہولے سے
کسی کی بند پلکوں میں بنا دستک دیئے یکدم

اتر کر گھر بناتی ہے...... محبت مسکراتی ہے
یہ خوشبو ہے ہمیشہ پھول کی سانسوں میں ہوتی ہے
بنا دے چاند' تیرہ شب کو جو یہ ایسا موتی ہے
کسک ہے دائمی اس میں بہت بے نام لذت ہے
محبت کی یہی تعریف ہے کہ یہ محبت ہے

فاخرہ بتول

جو ساری عمر نہ اک پل رہا چپ
اسے اکثر یہاں دیکھا گیا چپ

عجب ہے صبر کا یہ سلسلہ بھی
یہاں میں ہوں وہاں میرا خدا چپ

تمہارا نام ہی لایا زباں پر
کسی نے چیخ کر مجھ سے کہا چپ!

یہ تم ہر بات جو سچ بولتے ہو
سنا دی جائے گی اک دن سزا چپ

یہ کیسا شور ہے باہر گلی میں
نہ جانے کیوں نہیں ہوتی ہوا چپ

یہ کیسا مستقل چپ کا سفر ہے
مسافر چپ' فضاء چپ' راستہ چپ

فرہاد شاہ

بُرا کہتی ہے یہ دنیا مجھے بھی
محبت ہے تری طرح مجھے بھی

مجھے بھی دُکھ ہے اپنی آگہی کا
زمانے نے نہیں سمجھا مجھے بھی

جو حق پر ڈٹ گیا تو یاد آیا
حسینؑ ابن علیؑ کتنا مجھے بھی

بچھڑ جانا ضروری تھا وگرنہ
بچھڑنے کا بہت دکھ تھا مجھے بھی

بھلا میں سچ کو کیسے سچ کہوں گا
اسی دنیا میں ہے رہنا مجھے بھی

ایک ادھوری نظم

میں کیا لکھوں؟
محبت کائناتی وسعتوں سے بھی
کہیں آگے کی لامحدود وسعت ہے
کسی چہرے کو آنکھوں اور خوابوں کی دُعا پر نقش کرنا
اس کے بارے میں سوچنا
اور اپنی ہر خواہش کو بس اُس ذات تک محدود کر لینا
محبت ہے
ٹھٹھرتی آبشاروں میں بجھی ٹھنڈی ہوا سہنا
شبوں کے گنبدوں میں گونجتی بے چینیوں کے درمیاں رہنا
ہر اک موسم کو اپنے اندرونی موسموں کی زد میں لے آنا
کبھی مل کے کسی سے
بے خبر، آدھے سمندر تک سفر کرنا
کبھی تنہا کسی ساحل پہ آ کے دیر تک لہروں کو گننا
اور خلا میں دیکھتے رہنا محبت ہے
کسی کھوئے ہوئے کو غیر ارادی طور پر
ہر اجنبی چہرے میں اکثر ڈھونڈتے رہنا
ہمیشہ بے خیالی میں

کتابوں، چاند تاروں، بادلوں پر
اس کے بارے جھلملاتی بات لکھ دینا
یا پھر لکھ کے مٹا دینا
کبھی رنگوں کی لہروں پر
اُسے بے صورت ہونٹوں سے صدا دینا
صدا کو بازگشت اور گونج میں ڈھل کر
خلاؤں سے تہی دامن پلٹتے دیکھنا
اور پھر صدا دینا
محبت ہے
میں کیا لکھوں؟
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
بہت ہی رُوٹھ کر ناراض ہو کر
ناپسندیدہ خیالوں، نفرتوں کی اوٹ سے
یا مختلف حیلوں بہانوں سے
کسی کو جھانکتے رہنا
کسی کو سوچتے رہنا
وہ مانے یا نہ مانے بس اسے لکھنا اسے کہنا
محبت ہے

فرحت عباس شاہ

❁

اپنی محبتوں کی خدائی دیا نہ کر
ہر بے طلب کے ہاتھ کمائی دیا نہ کر

دیتی ہے جب ذرا سی بھی آہٹ اذیتیں
ایسی خموشیوں میں سنائی دیا نہ کر

پہلے ہی حادثات کے امکان کم نہیں
یوں مجھ کو راستوں میں بجھائی دیا نہ کر

نظریں تو پتھروں کو بھی کر جائیں چاک چاک
سج دھج کے بستیوں میں دکھائی دیا نہ کر

ان موسموں میں پنچھی پلٹتے نہیں سدا
دل کو اداسیوں میں رہائی دیا نہ کر

آتا نہیں بدلنا جو انداز دشمنی
چہرے بدل بدل کے دکھائی دیا نہ کر

فرحت کوئی تو فرق ہو عام اور خاص میں
ہر ایک آشنا کو رسائی دیا نہ کر

فرحت عباس شاہ

''اس کا دل تو اچھا دل تھا''

ایک ہے ایسی لڑکی جس سے تم نے ہنس کر بات نہ کی
کبھی نہ دیکھا' چمکے اس کی آنکھوں میں کیسے موتی
کبھی نہ سوچا' تم سے ایسی باتیں وہ کیوں کہتی ہے
کبھی نہ سمجھا' ملتے ہو تو گھبرائی کیوں رہتی ہے
کیوں اس کے رخسار کی رنگت سرسوں ایسی زرد ہوئی
تم سے ملنے سے پہلے' وہ ایسی تنہا کبھی نہ تھی
مل کر آنکھ بہانے سے' وہ کب تک آنسو روکے گی
اس کے ہونٹوں کی لرزش بھی تم نے کبھی نہیں دیکھی
کیوں ایسی سنسان سڑک پر اسے اکیلا چھوڑ دیا
اس کا دل تو اچھا دل تھا جس کو تم نے توڑ دیا
وہ کچھ نادم' وہ کچھ حیراں' رستہ ڈھونڈا کرتی تھی
ڈھلتی دھوپ میں اپنا بے کل سایا دیکھ کے ہنستی تھی
اکثر سورج ڈوب گیا اور راہ میں اس کو شام ہوئی

فہمیدہ ریاض

ایک نظم جیسی لڑکی کے نام

گلاب جیسی وہ نرم و نازک حسیں لڑکی
ہمارے سپنوں میں روز آئے
سنہرے جذبوں کے
سینکڑوں وہ دیے جلائے
ہمارے خوابوں کی ہر دشا پر
وہ اپنی زلفوں کی بھینی خوشبو بکھیر جائے
وہ تپتی سوچوں کے تھر پہ
ساون کے بادلوں سی برستی جائے
مگر کبھی سامنے نہ آئے
وہ نرم و نازک گلاب جیسی حسین لڑکی
ہمارے جذبوں
کی تشنگی کو بڑھاتی جائے
اُسی کی چاہت
اسی کی خواہش
ہماری ہستی مٹاتی جائے

فہیم شناس کاظمی

ساون کے سہانے موسم میں اک نار ملی بادل جیسی
بے پنکھ اڑانیں لیتی ہے جو اپنے ہی آنچل جیسی

وہ جس کی کمر تک چوٹی ہے، رنگت میں لال بروٹی ہے
چھو کر جو اسے دیکھا میں نے وہ مجھ کو لگی مخمل جیسی

لایا ہے بنا کر اس کو دلہن، یہ جوبن، یہ البیلا پن
اس عمر میں سر سے پاؤں تک لگتی ہے وہ تاج محل جیسی

چہرے پہ سجے آئینے، یا دو بے داغ نگینے ہیں
کس جھیل سے آئی ہیں ڈھل کر یہ آنکھیں نیل کنول جیسی

جو دیکھے اسے وہ کھو جائے، کھو جائے تو شاعر ہو جائے
اس کا انداز ہے گیتوں سا، اس کی آواز غزل جیسی

وہ جو قتیل اب یاد آئے سپنا جیسے کوئی دہرائے
میں آج بھی اس کو چاہتا ہوں، پر بات کہاں وہ کل جیسی

قتیل شفائی

اس کے چہرے سے کبھی زلف ہٹا کر دیکھو
شام کے وقت نئی صبح کا منظر دیکھو

دل مرا کچھ بھی ہو، سونے سے بھی مہنگا ہے وہ شخص
تم مرے دل کو نہ دیکھو، مرا دلبر دیکھو

اس کی آنکھوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ نہ پی
وہ پڑا ہے مرا ٹوٹا ہوا ساغر دیکھو

دیکھنے میں تو وہ شبنم کی طرح ہے لیکن
ہاتھ جل جائے گا تم مت اسے چھو کر دیکھو

مل کے جب آیا میں اس سے تو یہ لوگوں نے کہا
جا رہا ہے وہ مقدر کا سکندر دیکھو

راستے دل کے بہت دور تلک جاتے ہیں
اپنے اندر کا بھی اک روز سفر کر دیکھو

نام پیدا یونہی ہوتا نہیں دنیا میں قتیل
زندہ رہنا ہے تو اس شوخ پہ مر کر دیکھو

قتیل شفائی

تیرا چہرہ کتنا سہانا لگتا ہے
تیرے آگے چاند پرانا لگتا ہے

ترچھے ترچھے تیر نظر کے لگتے ہیں
سیدھا سیدھا دل پہ نشانہ لگتا ہے

آگ کا کیا ہے پل دو پل میں لگتی ہے
بجھتے بجھتے ایک زمانہ لگتا ہے

سچ تو یہ ہے پھول کا دل بھی چھلنی ہے
ہنستا چہرہ ایک بہانہ لگتا ہے

کیف بتا کیا تیری غزل میں جادو ہے
بچہ بچہ تیرا دیوانہ لگتا ہے

کیف بھوپالی

تم اتنا جو مسکرا رہے ہو
کیا غم ہے جس کو چھپا رہے ہو

آنکھوں میں نمی ہنسی لبوں پر
کیا حال ہے کیا دکھا رہے ہیں

بن جائیں گے زہر پیتے پیتے
یہ اشک جو پیتے جا رہے ہو

جن زخموں کو وقت بھر چلا ہے
تم کیوں انہیں چھیڑے جا رہے ہو

ریکھاؤں کا کھیل ہے مقدر
ریکھاؤں سے مات کھا رہے ہو

کیفی اعظمی

شام سے آنکھ میں نمی سی ہے
آج پھر رات کی کمی سی ہے

دفن کر دو ہمیں کہ سانس آئے
نبض کچھ دیر سے تھمی سی ہے

کون پتھرا گیا ہے آنکھوں میں
برف پلکوں پہ کیوں جمی سی ہے

وقت رہتا نہیں کہیں ٹک کر
عادت اس کی بھی آدمی سی ہے

آیئے راستے الگ کر لیں
یہ ضرورت بھی باہمی سی ہے

گلزار

شام

دل کا آنگن رات اندھیرا
جیون گہری شام
دکھ کے موسم سکھ آنگن میں
اُترے آئی شام
رنگ، دھنک اور بادل خوشبو
قصے خواب ہوئے
سکھ جیون کا لوٹ کے لے گئی
گھور اندھیری شام
پچھلی رات کا اُجلا موسم
رنگ بہار کے دن
روشن صبحیں نکھری باتیں
پیار خمار کے دن
شبنم لہجے ریشم باتیں
سب کا ایک ہی نام
تارہ سی آنکھوں میں بھر گئی
دُکھ کا کاجل شام
جھوٹا روپ دکھا کر اپنا

آخر کر گئی شام
روشن، جگمگ کرتے دن سے
دھوکا کر گئی شام
رات سیاہی سے عالم کا
سودا کر گئی شام

کرن ضیاء
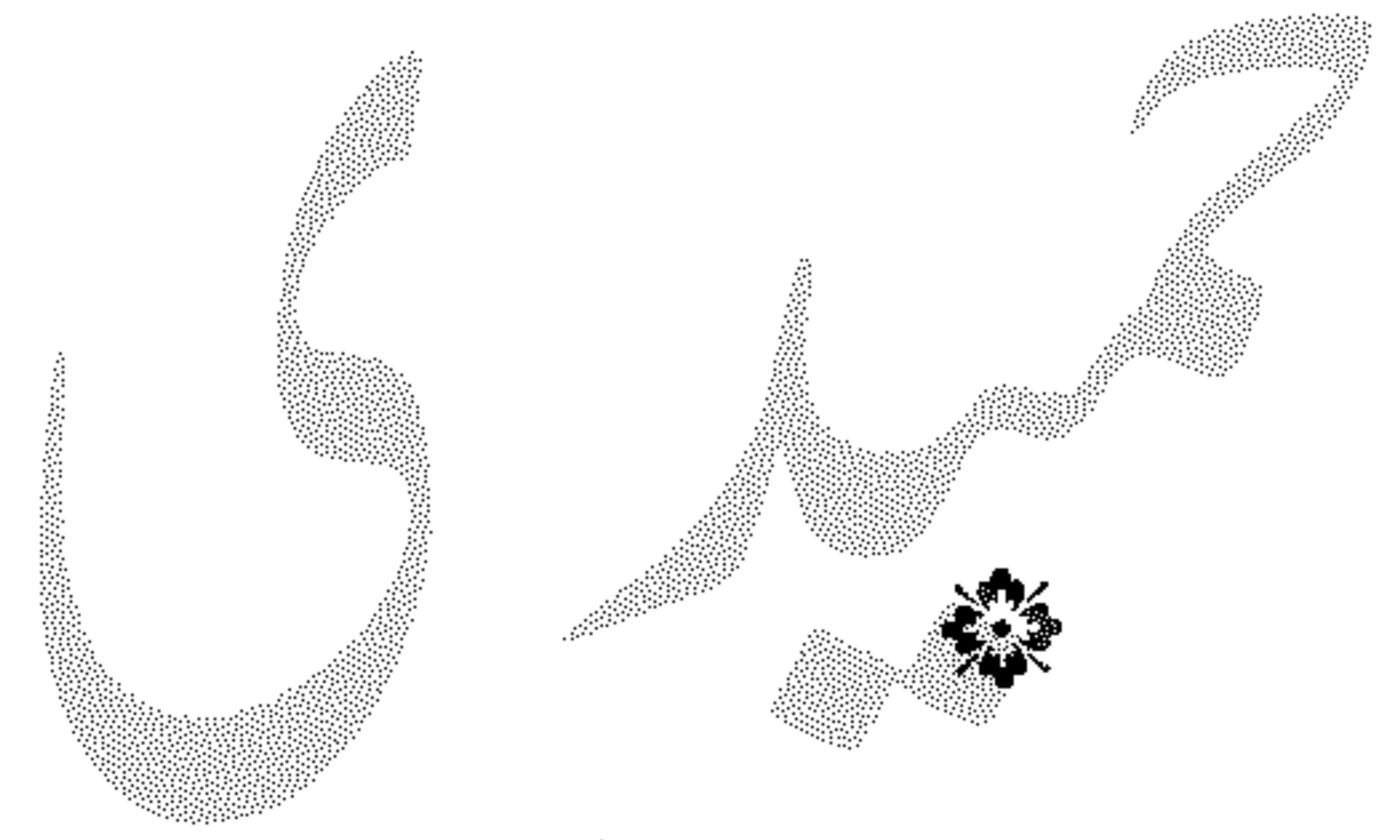
کوئی اک آدھ سپنا ہو تو پھر اچھا بھی لگتا ہے
ہزاروں خواب آنکھوں میں سجا کر کچھ نہیں ملتا
اُسے کہنا کہ پلکوں پر نہ ٹانکے خواب کی جھالر
سمندر کے کنارے گھر بنا کر کچھ نہیں ملتا

سید وصی شاہ

رُکے رُکے سے قدم رُک کے بار بار چلے
قرار دے کے ترے دَر سے بے قرار چلے

اُٹھائے پھرتے تھے احسان جسم کا جاں پر
چلے جہاں سے تو یہ پیرہن اُتار چلے

نہ جانے کون سی مٹی وطن کی مٹی تھی
نظر میں، دُھول، جگر میں لیے غبار چلے

سحر نہ آئی کئی بار نیند سے جاگے
سو رات رات کی یہ زندگی گزار چلے

ملی ہے شمع سے یہ رسمِ عاشقی ہم کو
گناہ ہاتھ پہ لے کر گناہ گار چلے

گلزار

ایک شعر

شاید کوئی خواہش روتی رہتی ہے
میرے اندر بارش ہوتی رہتی ہے

احمد فراز

ریشم زلفوں، نیلم آنکھوں والے چہرے اچھے لگتے ہیں
میں شاعر ہوں مجھ کو اجلے چہرے اچھے لگتے ہیں

تم خود سوچو! آدھی رات کو ٹھنڈے چاند کی چھاؤں میں
تنہا راہوں پر ہم دونوں کتنے اچھے لگتے ہیں

آخر آخر سچے قول بھی چبھتے ہیں دل والوں کو
پہلے پہلے پیار کے جھوٹے وعدے اچھے لگتے ہیں

جب سے وہ پردیس گیا ہے شہر کی رونق روٹھ گئی
اب تو اپنے گھر کے بند دریچے اچھے لگتے ہیں

کالی رات میں جگمگ کرتے تارے کون بجھاتا ہے
اس دلہن کو یہ موتی یہ گہنے اچھے لگتے ہیں

کل اس روٹھے روٹھے یار کو دیکھا تو محسوس ہوا
محسنؔ اُجلے جسم پہ میلے کپڑے اچھے لگتے ہیں

محسن نقوی

میرے ہمسفر میرے ہم سخن

یہ جو زندگی ہے عجیب سی
یہ جو روز و شب ہیں اُداس سے
یہ جو ساعتیں ہیں رُکی ہوئی
یہ جو درد میرے نصیب کے
تیرے بخت میں بھی لکھے گئے
یہ جو رابطے میں ڈرے ہوئے
یہ جو دوریاں سی ہیں درمیاں
میں اگر تجھے جو سنوار دوں
تیرے روز و شب میں نکھار دوں
میرا ہاتھ تھام کے عہد دو
مجھے ایسے دل میں رکھو گے تم
میرے ساتھ ساتھ رہو گے تم
مرے ہمسفر میرے ہم سخن
تجھے اس قدر جو میں پیار دوں
کہ یہ زندگانی ہی ہار دوں
تو بتاؤ نا میرے بعد بھی
یہی عہد اپنا نبھاؤ گے
یا کہ مجھ کو بھول ہی جاؤ گے

مصباح مشتاق

لگتا ہے ڈبو کر کبھی مارے گی مجھے تُو
ان جھیل سی آنکھوں میں اُتارے گی مجھے تُو

ان اچھے دنوں میں تو بہت ساتھ ہیں تیرے
جب وقت پڑے گا تو پکارے گی مجھے تُو

ہر چند تجھے میری وفا پر بھی یقیں ہے
مشکل سے مگر پھر بھی گزارے گی مجھے تُو

توڑے گی ستم ایسے کہ جیتا بھی رہوں میں
احمق نہیں کہ جان سے مارے گی مجھے تُو

تُو مجھ سے بہت ٹوٹ کے کرتی تھی محبت
تھا کس کو پتا دل سے اُتارے گی مجھے تُو

منانؔ بھروسہ تھا مجھے ذات پہ تیری
بگڑوں گا اگر میں تو سنوارے گی مجھے تُو

منان قدیر منان

لکھ لکھ کے تیرا نام مٹاتا رہا ہوں میں
کچھ اِس طرح سے تجھ کو بھلاتا رہا ہوں میں

دشمن تو میرے پاس سے گزرا نہیں کبھی
یہ زخم دوستوں سے ہی کھاتا رہا ہوں میں

لٹنے کے بعد مجھ کو یہ احساس ہو گیا
لوٹا اُسی نے جس کو بچاتا رہا ہوں میں

جب مجھ کو یہ پتا تھا وہ میرا نہیں ہے پھر
اُس کی گلی میں کس لیے جاتا رہا ہوں میں

جانے وہ کس کے خواب کی تعبیر ہو گیا
آنکھوں میں جس کے خواب سجاتا رہا ہوں میں

منانؔ مَیں بھی کِس قدر سادہ مزاج ہوں
اِک بے وفا کو اپنا بناتا رہا ہوں میں

منان قدیر منان

''ایک خوش باش لڑکی''

کبھی چور آنکھوں سے دیکھ لیا
کبھی بے دھیانی کا زہر دیا

کبھی ہونٹوں سے سرگوشی کی
کبھی چال چلی خاموشی کی

جب جانے لگے تو روک لیا
جب بڑھنے لگے تو ٹوک دیا

اور جب بھی کوئی سوال کیا
اس نے ہنس کر ٹال دیا

منیر نیازی

❁

اے چاند تیری چاندنی یوں جی کو جلائے
جیسے مری آنکھوں میں کوئی دیپ جلائے

راتوں کو بھی اِس آس پہ کھلے رکھوں دریچے
شاید کہ وہ روٹھا ہوا گھر دیر سے آئے

آنے کی خوشی تیری مجھے اِتنی نہیں ہوتی
جانے کا مگر رنج بڑی دیر سے جائے

اِک آنسو بھی تیرا نہیں جس کو تھا گوارہ
تنہا کسی ساون میں وہ کس طرح نہائے

کیسے تو بھلائے گا وہ صدیوں کی رفاقت
ہم تو ترے جانے کا وہ لمحہ نہ بھلا پائے

حسیبؔ اپنے ملن پہ فقط یہ ہی دعا ہے
ہم جیسے ملے ہیں خدا سب کو یوں ملائے

محمد حسیب

دکھ کی لہر نے چھیڑا ہو گا
یاد نے کنکر پھینکا ہو گا
آج تو میرا دل کہتا ہے
تُو اس وقت اکیلا ہو گا
میرے چومے ہوئے ہاتھوں سے
اَوروں کو خط لکھتا ہو گا
بھیگ چلیں اب رات کی پلکیں
تو اب تھک کر سویا ہو گا
ریل کی گہری سیٹی سُن کر
رات کا جنگل گونجا ہو گا
شہر کے خالی اسٹیشن پر
کوئی مسافر اُترا ہو گا
آنگن میں پھر چڑیاں بولیں
تو اب سو کر اُٹھا ہو گا
یادوں کی جلتی شبنم سے
پھول سا مکھڑا دھویا ہو گا

موتی جیسی شکل بنا کر
آئینے کو تکتا ہو گا
شام ہوئی اب تو بھی شاید
اپنے گھر کو لوٹا ہو گا
نیلی دُھندلی خاموشی میں
تاروں کی دُھن سنتا ہو گا
میرا ساتھی شام کا تارا
تجھ سے آنکھ ملاتا ہو گا
شام کے چلتے ہاتھ نے تجھ کو
میرا سلام تو بھیجا ہو گا
پیاسی کُرلاتی کونجوں نے
میرا دُکھ تو سنایا ہو گا
میں تو آج بہت رویا ہوں
تو بھی شاید رویا ہو گا
ناصرؔ تیرا میت پرانا
تجھ کو یاد تو آتا ہو گا

ناصر کاظمی

مجھے تم سے محبت ہے

مجھے اس شہرِ خوباں کی فضاؤں سے محبت ہے
جہاں تم سانس لیتی ہو
جنہیں تم دیکھتی ہو
ان ہواؤں سے محبت ہے
جو تم کو چھو کے آتی ہیں
تمہاری انگلیوں کی نرم آہٹ سے محبت ہے
کہ جن سے ہولے ہولے تم مرا در کھٹکھٹاتی ہو
مجھے ان راستوں سے بھی محبت ہے جہاں سے تم گزرتی ہو
کتابیں جن کو پڑھتی ہو
جو غزلیں گنگناتی ہو
جو باتیں سوچتی ہو
دوستوں میں بیٹھ کر جو بحث کرتی ہو
ادھورے خط جنہیں ارسال کرنا بھول جاتی ہو
یا جس انداز سے میرے لئے چائے بناتی ہو
مجھے اس سے محبت ہے
مجھے تم سے محبت ہے

ناصر کریم

❁

آئینہ احساس کو میلا نہیں کرتے
ہر بات پہ ہر شخص سے اُلجھا نہیں کرتے

پیغام ملا ہے ہمیں خُوشبو کی زبانی
چلنے کا ارادہ ہو تو ٹھہرا نہیں کرتے

ہر دردِ جُدائی کی نمائش نہیں ہوتی
ہر زخمِ تمنا کا تماشا نہیں کرتے

حق بات سرِ دار کہے اپنا قبیلہ
ہو موت مقابل بھی تو سوچا نہیں کرتے

حیرت تو کہیں گم ہے پسِ چشمِ تماشا
''ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پروا نہیں کرتے''☆

بے وجہ ٹھہرتے نہیں رستے میں کہیں پر
بے نام مسافت کی تمنا نہیں کرتے

اِک پَل میں وجود اُن کا زمیں بوس ہو مولا
جو پیڑ گھنے ہو کے بھی سایا نہیں کرتے

ملنے کا خیال اُس کو کبھی آئے بھی کیسے
رُخ جانبِ صحرا کبھی دریا نہیں کرتے

نثار تُرابی

چشمِ بیدار میں آ سکتے تھے
گل تو گلزار میں آ سکتے تھے

بکنے والوں میں نہیں تھے ورنہ
روز بازار میں آ سکتے تھے

ہم بھی گر تیری طرح کے ہوتے
ہم بھی دربار میں آ سکتے تھے

کھا گئی ہے جو سخن خاموشی
کُنجِ اظہار میں آ سکتے تھے

تیغِ اَبرُو کی خطا تھی ساری
حُسن کے وار میں آ سکتے تھے

نثار تُرابی

مسلسل روکتی ہوں اس کو شہر دل میں آنے سے
مگر وہ کوہ کن رکتا نہیں دیوار ڈھانے سے

بھلا کیا دکھ کے آنگن میں سلگتی لڑکیاں جانیں
کہیں چھپتے ہیں آنسو آنچلوں میں منہ چھپانے سے

ابھی تو فصل تازہ ہے ہمارے حرف و معنی کی
ابھی ڈرتے نہیں ہم موسموں کے آنے جانے سے

ابھی تو عشق میں آنکھیں بجھی ہیں، دل سلامت ہے
زمینیں بانجھ ہوتی ہیں کبھی فصلیں جلانے سے

تجھے تنہا محبت کا یہ دریا پار کرنا ہے
ندامت ہو گی اس کے حوصلوں کو آزمانے سے

ہمیں کس ظرف کے کردار کے قصے سناتا ہے
تجھے اے شہر ہم بھی جانتے ہیں اک زمانے سے

تجھے بھی ضبط غم کے شوق نے پتھر بنا ڈالا
تجھے اے دل بہت روکا تھا رسم و رہ نبھانے سے

نوشی گیلانی

کسے خبر تھی کہ دل کا یہ حال ہونا تھا
تمہیں گنوا کے ہمیں بھی ملال ہونا تھا

ہمارے واسطے رستہ کوئی بچا کب ہے
وہیں تھے زخم وہیں اِندمال ہونا تھا

مَیں تیرا نام لکھوں خوشبوئیں سی جل اُٹھیں
یہ معجزہ بھی مِرے خوش جمال ہونا تھا

یہ وہ بدن کہ جسے تازگی مقدر تھی
کسے خبر تھی کہ یوں پائمال ہونا تھا

کبھی گلاب سے مہکیں کبھی چراغ جلیں
سخن کے باب میں یہ بھی کمال ہونا تھا

کمالِ سادہ دلی ہے کہ بدگمانی ہے
تمہارے لب پہ بھی کوئی سوال ہونا تھا

ہوائے شہر نے رکھا بہت اُداس مگر
مِرا یقینِ محبت بحال ہونا تھا

نوشی گیلانی

محبت کی اسیری سے رہائی مانگتے رہنا
بہت آساں نہیں ہوتا جُدائی مانگتے رہنا

ذرا سا عشق کر لینا، ذرا سی آنکھ بھر لینا
عوض اِس کے، مگر ساری خدائی مانگتے رہنا

کبھی محروم ہونٹوں پر دُعا کا حرف رکھ دینا
کبھی وحشت میں اس کی نارسائی مانگتے رہنا

وفاؤں کے تسلسل سے محبت رُوٹھ جاتی ہے
کہانی میں ذرا سی بے وفائی مانگتے رہنا

عجب ہے وحشتِ جاں بھی کہ عادت ہو گئی دل کی
سکوتِ شامِ غم سے ہم نوائی مانگتے رہنا

کبھی بچے کا ننھے ہاتھ پر تتلی کے پر رکھنا
کبھی پھر اُس کے رنگوں سے رہائی مانگتے رہنا

نوشی گیلانی

اپنی باتیں کب دریا سے کہتی ہے
وہ ندیا جو صحرا صحرا بہتی ہے

کیا کچھ دب جاتا ہے اس کے ملبے میں
وہ دیوار جو دل کے اندر ڈھہتی ہے

رات سے پہلے رات کی باتیں کرتا ہے
میرے دن کو کتنی عجلت رہتی ہے

رہ جائے گر شاخ پھلوں سے خالی تو
ہر موسم کے طعنے تنہا سہتی ہے

غزلیں کہنا میں نے بھی اب چھوڑ دیا
اور وہ بھی اب پار سمندر رہتی ہے

نوید ہاشمی

ہوش والوں کو خبر کیا بے خودی کیا چیز ہے
عشق کیجئے پھر سمجھئے زندگی کیا چیز ہے

اُن سے نظریں کیا ملیں روشن فضائیں ہو گئیں
آج جانا پیار کی جادوگری کیا چیز ہے

کھلتی زلفوں سے سکھائی موسموں کی شاعری
جھکتی آنکھوں نے بتایا مے کشی کیا چیز ہے

ہم لبوں سے کہہ نہ پائے اُن سے حال دل کبھی
اور وہ سمجھے نہیں خامشی کیا چیز ہے

ندا فاضلی

❁

اُس کی آنکھوں میں محبت کا ستارہ ہو گا
ایک دن آئے گا وہ شخص ہمارا ہو گا

تم جہاں میرے لیے سیپیاں چنتی ہو گی
وہ کسی اور ہی دنیا کا کنارہ ہو گا

زندگی! اب کے مرا نام نہ شامل کرنا
گر یہ طے ہے کہ یہی کھیل دوبارہ ہو گا

جس کے ہونے سے مری سانس چلا کرتی تھی
کس طرح اُس کے بغیر اپنا گزارہ ہو گا

یہ اچانک جو اُجالا سا ہوا جاتا ہے
دل نے چپکے سے تیرا نام پکارا ہو گا

عشق کرنا ہے تو دن رات اُسے سوچنا ہے
اور کچھ ذہن میں آیا تو خسارہ ہوگا

یہ جو پانی میں چلا آیا سنہری سا غرور
اُس نے دریا میں کہیں پاؤں اُتارا ہو گا

کون روتا ہے یہاں رات کے سناٹوں میں
میرے جیسا ہی کوئی ہجر کا مارا ہو گا

مجھ کو معلوم ہے جونہی میں قدم رکھوں گا
زندگی تیرا کوئی اور کنارہ ہو گا

جو مری روح میں بادل سے گرجتے ہیں وصیؔ
اُس نے سینے میں کوئی درد اُتارا ہو گا

کام مشکل ہے مگر جیت ہی لوں گا اس کو
میرے مولا کا وصیؔ جونہی اشارہ ہو گا

وصی شاہ

"ٹوٹا رشتہ"

اُس کو کیا خبر!
آنسوؤں کی لرزش کی
چاہتوں کی بندش کی
داستاں ادھوری ہے......

همیرا مان

میری آنکھوں میں آنسو پگھلتا رہا' چاند جلتا رہا
تیری یادوں کا سورج نکلتا رہا' چاند جلتا رہا

کوئی بستر پہ شبنم لپیٹے ہوئے خواب دیکھا کیا
کوئی یادوں میں کروٹ بدلتا رہا' چاند جلتا رہا

میری آنکھوں میں کیمپس کی سب ساعتیں جاگتی ہیں ابھی
نہر پر تو مرے ساتھ چلتا رہا' چاند جلتا رہا

میں تو یہ جانتا ہوں کہ جس شب مجھے چھوڑ کر تم گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا' چاند جلتا رہا

رات آئی تو کیا کیا تماشے ہوئے تجھ کو معلوم ہے؟
تیری یادوں کا سُورج اُبلتا رہا' چاند جلتا رہا

رات بھر میری پلکوں کی دہلیز پر خواب گرتے رہے
دل تڑپتا رہا' ہاتھ ملتا رہا' چاند جلتا رہا

یہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگے
تم نہیں تو دسمبر سُلگتا رہا' چاند جلتا رہا

آج بھی وہ تقدس بھری رات مہکی ہوئی ہے وصیؔ
میں کسی میں' کوئی مجھ میں ڈھلتا رہا' چاند جلتا رہا

وصی شاہ

آنچل اور بادبان

ساحل پر اک تنہا لڑکی
سرد ہوا کے بازو تھامے
گیلی رات پہ گھوم رہی ہے
جانے کس کو ڈھونڈ رہی ہے
بن کاجل' بیکل آنکھوں سے
کھلے سمندر کے سینے پر
خراٹے بھرتی کشتی کے بادبان کے لہرانے کو
کس حیرت سے دیکھ رہی ہے؟
کس حسرت سے اپنا آنچل مسل رہی ہے؟

پروین شاکر

''جانے کتنے سال لگیں گے......''

لفظ کو سمجھنے میں
خواہشیں بھلانے میں
جانے کتنے سال لگیں گے، تم کو بھول جانے میں
ساحلِ سمندر پر پیاسی من کھڑی ہوں میں
اور بکھرتی جا رہی ہے ریت میرے ہاتھ سے
دل کو سمجھانے میں
خود کو بہلانے میں
جانے کتنے سال لگیں گے، تم کو بھول جانے میں
پانیوں پر رستے تو پل میں ٹوٹ جاتے ہیں
پر دل کی چاہتیں، چاہتیں ہی رہتی ہیں
گہرے زخم بھرنے میں
مجھ کو پھر سنبھلنے میں
جانے کتنے سال لگیں گے، تم کو بھول جانے میں
چاہتوں کی منزل جب دُور ہوتی جاتی ہے
فاصلے مٹانے میں عمر بیت جاتی ہے
درد کو سمیٹنے میں
خواب کو مٹانے میں
جانے کتنے سال لگیں گے، تم کو بھول جانے میں

ھمیرا مان

اک شخص جو شہر میں آیا تھا

میں جب بھی ڈوب کے لکھتا ہوں
سب لوگ یہ مجھ سے کہتے ہیں
نظموں سے عشق خدا جیسا
غزلوں میں کیف اُداسی کا
کس دوست نے تم کو سونپا ہے
مرا ایک جواب ہمیشہ سے
اک شخص جو شہر میں آیا تھا
کچھ روز وہ میرے ساتھ رہا
مجھے لہجے کے امرت رس میں
اس نے کچھ ایسا رنگ دیا
ہر نازک دل موہ لینے کا
مرے لفظوں کو آہنگ دیا
پھر سوچ کے تانے بانے میں
الجھا کر مجھ کو چھوڑ گیا
کچھ دن سے اس کی یاد یونہی
اس دل پر دستک دیتی ہے
اور پاؤں میں زنجیر پڑی
کب ہم کو جانے دیتی ہے
کب دل میں اُس کی آس نہیں
یہ بات الگ وہ پاس نہیں

ISBN 969-530-104-5
9789695301043
Designer Dot Com
ddc321@msn.com 0300-5322022